اَمثالُ القُرآن

جناب شفقت حسین خادم صاحب

اللہ رب العالمین قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں " وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ " (سورۃ الروم آیت ۵۸) یعنی (اور بیشک ہم اس قرآن میں لوگوں کے لیے پھیر پھیر کر مثالیں بیان کرتے ہیں) - یہ ایک فطری اور طبعی امر ہے کہ مقامِ موعظت و نصیحت میں امثال کا ذکر مخاطب کے لیے نہایت ہی مؤثر اور دل نشین طرزِ کلام ہے - اسی طرح امورِ معنویہ کو مخاطب کے سامنے محسوس و مشاہد اور ان کے قبائح و محاسن کو نمایاں کر دینا تمثیلات ہی کے ذریعے ممکن ہے - کتبِ سابقہ تورات و انجیل میں بھی بکثرت مضامین تمثیلی رنگ میں بیان ہوئے ہیں انجیل کی سورتوں میں سے ایک سورۃ کا نام ہی " امثال " ہے اور سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور حکماء کے کلام میں امثال کی کثرت پائی جاتی ہے -

بیہقی نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " بے شک قرآن پانچ وجوہ پر نازل ہوا ہے - حلال ، حرام ، محکم ، متشابہ اور امثال ، پس تم لوگ حلال پر عمل کرو ، حرام سے پرہیز کرو ، محکم کی پیروی کرو ، متشابہ پر ایمان لاؤ اور امثال سے عبرت و نصیحت حاصل کرو -

تمثیل وقدر و قیمت | ضربِ مثل کے معنی ہیں ، کسی حقیقت کو تمثیل کے پیرائے میں سمجھانا ، اعلیٰ حقائق اور روحانی لطائف کو جب تمثیل کا جامہ نہ پہنایا جائے اُس وقت تک

وہ عام عقل کی گرفت میں نہیں آتے اس وجہ سے روحانی حقائق کی تعلیم میں اس صنفِ کلام کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ انبیاء اور حکماء کے کلام میں اس کی بڑی کثرت ہوتی ہے، اس کا اندازہ تورات اور انجیل پر ایک نظر ڈالنے سے ہوسکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام تمثیلات سے بھرا ہوا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بھی بے شمار تمثیلات ہیں اور قرآن کریم میں بھی اس صنفِ کلام کی نہایت اعلیٰ مثالیں موجود ہیں۔ امام شافعیؒ نے علم الامثال کو منجملہ اُن امور کے شمار کیا ہے جن کی معرفت مجتہد پر واجب ہے جو کہ طاعتِ باری تعالیٰ پر دلالت کرنے والی اور ان کے نواہی کو ضروری قرار دینے میں بیّن اور واضح ہیں۔

تمثیل کی غرض و غایت: تمثیل کی غرض یہ ہوتی ہے کہ کسی غیر واضح اور غیر محسوس حقیقت کو مخاطب کے فہم سے قریب تر لانے کے لیے کسی ایسی چیز سے تشبیہ دی جائے جو واضح اور محسوس ہو یا بالفاظِ دیگر یوں سمجھیے کہ جو چیز عام نگاہوں سے اوجھل ہوتی ہے تمثیل کے ذریعے سے گویا اُس کا مشاہدہ کرا دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ طرزِ بیان بڑی حکمت کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے کیونکہ جن حقائق سے وہ آگاہ کرنا چاہتا ہے وہ قریب قریب سب کے سب غیر مرئی اور غیر محسوس ہیں لہٰذا قرآن کریم کا مضمونِ تمثیلات بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اس میں تدبر کرنا مطالب قرآن کو سمجھنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔

امام زرکشیؒ نے "البرہان فی علوم القرآن" میں لکھا ہے کہ ضرب الامثال کی حکمت یہ بھی ہے کہ بیان کی تعلیم دی جائے اور یہ بات شریعتِ مصطفیٰ کے خصائص میں سے ہے۔ علامہ زمخشریؒ کا قول ہے کہ تمثیل کی طرف جانے کا مقصود صرف یہ ہے کہ معانی کو منکشف کیا جائے اور متوہم کو شاہد سے قریب بنایا جائے۔ پس اگر ممثل لہٗ (جس کے لیے مثال دی جاتی ہے) عظیم و صاحبِ رتبہ ہوگا تو ممثل بہٖ (جس کے ساتھ مثال دی جاتی ہے) بھی اُسی کے مثل ہوگا اور اگر ممثل لہٗ حقیر ہے تو ممثل بہٖ بھی اُسی کے مانند حقیر ہوگا۔

تمثیل میں دراصل جو چیز دیکھنے کی ہوتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ اس میں جو حقیقت پیش کی گئی ہے وہ کتنی خوبی کے ساتھ پیش ہوئی ہے۔ اس چیز سے کچھ زیادہ بحث نہیں

ہوتی کہ تمثیل کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں ایک حقیقت کو نگاہوں کے سامنے مصور کر دینے کے لیے جو چیز بھی مفید مقصد ہو سکتی ہے اُس سے تمثیل میں فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے، خواہ وہ مچھر ہو یا مکھی، قرآن کریم نے مشرکین کے معبودوں کی بے بسی کی مثال دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر مکھی بھی ان خداؤں سے کچھ چھین لے تو یہ اس کا بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اسی طرح شرکاء و شفعاء پر ان کو جو اعتماد تھا اس کی بے بضاعتی کی مثال مکڑی کے جالے سے دی ہے۔ یہود دین کے اُصولوں سے بے پروا ہو کر اس کی جزئیات کا جو اہتمام کرتے تھے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو مچھر کے چھانتے اور اونٹ کے نگل جانے سے تشبیہ دی ہے۔

یہ تمام تشبیہات و تمثیلات اس اعتبار سے نہایت اعلیٰ درجے کی ہیں کہ ان میں جو حقائق پیش کیے گئے ہیں۔ وہ ان تمثیلوں کے پیرائے میں نہایت خوبی کے سامنے ایک عام آدمی کی سمجھ میں بھی آجاتے ہیں اسی وجہ سے علم اور معرفت کے قدر دان ان تمثیلوں کی بڑی قدر کرتے ہیں اور ان سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ علم و معرفت کے دشمن اور خواہشاتِ نفس کے غلام ہوتے ہیں وہ ان تمثیلات سے بہت چڑتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمثیلات اُن کے لیے وہ چیزیں بے نقاب کرتی ہیں جن کا بے نقاب ہونا اُن کے لیے اُن کی خواہشات کے خلاف ہوتا ہے۔ وہ اپنا یہ غصہ جب نکالنا چاہتے ہیں تو براہ راست اُس حقیقت پر حملہ کرنا تو اُن کے لیے ممکن نہیں ہوتا جو وہ تمثیل پیش کر رہی ہوتی ہے کیونکہ وہ اس قدر واضح ہوتی ہے کہ اس کے خلاف کچھ کہنا آفتاب پر خاک ڈالنے کے مترادف ہوتا ہے، البتہ تمثیل کی جزئیات میں سے کسی جز کی آڑ لے کر وہ اس کے خلاف اپنا غصہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً اگر تمثیل میں مچھر یا مکھی کا ذکر آگیا ہے تو وہ تمثیل کتنی ہی عقیقت افروز ہو لیکن وہ کہیں گے کہ "یہ کیا فضول تمثیل ہے اگر یہ خدا کا کلام ہے تو کیا خدا کو تمثیل کے لیے مچھر اور مکھی ہی ملتے ہیں"؟ اس طرح وہ خود اپنے ضمیر کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں کے حق میں بھی یہی معاملہ چاہتے ہیں۔

اصفہانیؒ کا بیان ہے کہ اہلِ عرب کی ضرب الامثال اور علماء کے نظائر پیش کرنے کی ایک خاص شان ہے جو مخفی نہیں رہ سکتی۔ اس لیے کہ یہ باتیں مخفی باریکیوں کو ظاہر اور حقائق کے

چہرۂ زیبا سے نقاب دور کرنے میں بڑا اثر رکھتی ہیں اور خیالی اُمور کو تحقیقی باتوں کی صورت میں عیاں کرنا اور متوہم کو متیقن کے مرتبے میں لے آنا اور غائب کو مشاہد کے درجے میں کر دینا ان ہی باتوں کا کام ہے اور ضرب الامثال ہی ایسی چیزیں ہیں جو کہ سخت سے سخت جھگڑالو مخالف کو خاموش و ساکت کر دیتی ہیں۔ اور اس کے ضرر اور نقصان کا قلع قمع کر دیتی ہیں اس لیے کہ خود ایک چیز کی ذات کا وصف دل پہ اتنا اثر نہیں ڈالتا، جس قدر اس کی مثال ہوتا ہے۔

شیخ عزیز الدین بن عبد السلام فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام میں امثال، وعظ و تذکیر کے لیے بیان فرمائی ہیں۔ بہت سی تمثیلات ثواب و عقاب اور ان کے تفاوت درجات، حسنات و سیئات کے ثمرات و نتائج اور ترغیب و ترہیب پہ مشتمل ہیں اور اُن کی غرض مقصود یہ ہوتی ہے کہ مراد کو عقل سے اس طرح قریب کر دیا جائے کہ وہ معقول کے مرتبہ سے تجاوز کر کے سامع کے ذہن میں محسوسات کی شکل اختیار کر لے اگر کوئی معنوی خفاء ہے تو وہ بھی دور ہو جائے۔ اگر کسی شے کی حقارت و خست ظاہر کرنی ہے تو اس کی حقارت و خست علیٰ وجہ اتم ظاہر ہو جائے اور اگر کسی چیز کی پائیداری اور قوت یا کسی چیز کا ضعف اور ناپائیداری بیان کرنی ہو تو وہ بھی مخاطبین کے ذہنوں میں بخوبی راسخ ہو جائے۔

ابوالحسن الماوردیؒ (۴۵۰ھ) آپ کو علم امثال القرآن پہ پہلی کتاب لکھنے کا شرف حاصل ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کے بڑے بڑے علوم میں سے امثال کا علم ہے۔ حالانکہ لوگ اس سے غافل ہیں اس لیے کہ وہ امثال میں ہی پھنسے رہ جاتے ہیں۔ اور جن اُمور کی نسبت وہ مثالیں دی گئی ہیں۔ اُن سے غافل رہے اور اصل یہ ہے کہ مثل بغیر ممثل کے ایسی ہے جیسے بے لگام کا گھوڑا یا شتر بے مہار"

تشبیہ و تمثیل کا فرق تمثیل اگرچہ تشبیہ ہی کی نوعیت کی ایک چیز ہے لیکن تشبیہ اور تمثیل میں بڑا فرق ہے، ایک عام تشبیہ میں اصلی نگاہ مشبہٗ اور مشبہ بہ پہ ہوتی ہے اور ان دونوں کے اجزاء کو الگ الگ ایک دوسرے کے مقابل میں رکھ کے دیکھا جاتا ہے کہ ان میں

باہم دگر کتنی مشابہت اور مطابقت پائی جاتی ہے۔ اور پھر اسی مشابہت اور مطابقت کے لحاظ سے اس تشبیہ کا حسن و قبح متعین ہوتا ہے لیکن تمثیل میں اجزا کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی بلکہ اس میں صورتِ واقعہ کو صورتِ واقعہ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اگر ایک صورتِ حال اور دوسری صورتِ حال میں پوری پوری مطابقت موجود ہے اور تمثیل صورتِ حال کی پوری تصویر نگاہوں کے سامنے پیش کر رہی ہے تو وہ تمثیل مکمل ہے۔ اگرچہ تشبیہ کے وہ تمام ضوابط اس پر منطبق نہ ہو رہے ہوں جو ایک تشبیہ کے مکمل ہونے کے لیے اہلِ فن نے ضروری قرار دیئے ہیں۔

اقسام الامثال قرآن کریم یا عربی زبان ہی میں نہیں بلکہ ہر زبان میں اظہار ما فی الضمیر اور اثباتِ مدعا کے لیے تشبیہات و تمثیلات استعمال کرنے کا طریقہ رائج ہے۔ قرآن میں مِثل، مَثل اور مثال کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ ایسی چیز جس کی کوئی مثال ہی نہ ملتی ہو، مثل کہلاتی ہے یعنی نہ کوئی صفت میں اس جیسا ہو اور نہ صورت و ہیئت میں، وہ بالکل یکتا ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا ہے "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" اور اگر اسی صورت و سیرت کا دوسرا بھی پایا جاتا ہو اس کے لیے مثل یا مثال کے الفاظ موجود ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ"

قرآن کریم میں جو امثال مذکور ہوتی ہیں ان کی دو اقسام ہیں۔ ایک تو وہ امثال ہیں جو کسی بات کو سمجھانے کے لیے بطور تمثیل کے بیان ہوتی ہیں۔ مثلاً سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ "مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ" (جو لوگ اپنے اموال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن کی حالت اُس دانے کی سی ہے جس نے سات خوشے لگائے ہوں اور ہر خوشے میں سَو سَو دانے ہوں)۔ یعنی یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کیے ہوئے مال کا بدلہ آخرت میں سات سو گنا بلکہ بعض حالات میں اس سے بھی زیادہ ملے گا۔ انسانی عقل اس کو ذرا بعید سمجھ سکتی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے ایک مثال کے ذریعے سمجھا دیا کہ جس طرح زمین کے اندر ڈالا ہوا ایک بیج درخت

پر سات سو تخم جدید لے کر نمودار ہوتا ہے۔ اسی طرح دُنیا میں خرچ کیا ہوا مال آخرت میں سات سو گنا تک بڑھ کر انسان کو ملے گا لیکن یہی انفاقِ مال بغیر ایمان و تقویٰ کے محض ریا اور حُبِّ جاہ کے لیے کیا جائے تو اس کی مثال " فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا " (تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر (فرض کرو) جس پر کچھ مٹی ہو (اور اس مٹی پر دانہ ڈالنے سے کچھ گھاس پھونس پیدا بھی ہو گئی ہو) پھر اس پر زور کی بارش پڑی تو اُس نے اُس پتھر کو (جیسا تھا اُسی طرح) صاف کر دیا۔

ان کلمات نے مخاطب کے سامنے اُس صورت کو مخاطب کر کے دکھا دیا کہ انفاقِ مال اور صرف دولت ایمان اور اخلاص کے ساتھ ایک نفع بخش کھیتی کی مانند ہے اور یہی بذلِ مال اور صرف دولت بغیر ایمان و تقویٰ کے کسی چکنے پتھر پر تخم ریزی کی طرح ہے۔

امثالِ قرآنی کی دوسری قسم وہ ہے جسے اُردو میں کہاوت کہتے ہیں۔ اِس قسم کی امثال قرآن کریم میں دو طرح مذکور ہوئی ہیں۔ بعض تو وہ ہیں جو نزولِ قرآن کے بعد ہی کہاوت بنیں گویا اُن کا موجد قرآن ہی ہے مثلاً " هل جزاء الاحسان الا الاحسان" یا پھر " جزاء السيئة، سيئة مثلها "

اور کہاوتوں کی دوسری قسم وہ ہے جس میں صراحتاً تو کوئی کہاوت مذکور نہیں مگر آیت کے مفہوم سے نکلتی ہے گویا وہ یا تو عوامی ضرب الامثال کا سرچشمہ ہیں یا اُن کی طرف دلالت کرتی ہیں۔ ایسی امثال کو امثالِ کامنہ کہا جاتا ہے، اس کی قرآن کریم میں بے شمار مثالیں ہیں۔ مثلاً ایک عربی کہاوت مشہور ہے کہ " ليس الاخبر كالاعيان "۔ سو یہ کہاوت قرآن کریم کی اس آیت میں موجود ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا۔ آپ مجھے دکھائیں کہ آپ مُردے کس طرح زندہ کرتے ہیں؟ اس پر حق تعالیٰ نے پوچھا کیا تم اس پر ایمان نہیں رکھتے؟ تب حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: " بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ "۔ " کیوں نہیں (میں اس پر ایمان رکھتا ہوں) مگر (میں نے یہ درخواست اس لیے کی ہے کہ) میرا قلب مطمئن ہو جائے، غرض اسی طرح

قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے علوم و معارف کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تمثیلات کے عنوان میں بیان فرمایا ہے۔ قرآن کریم کا یہ طرزِ بیان بھی سراپا معجزانہ اور محیر العقول ہے جس کا اندازہ بیضاویؒ، رازیؒ، آلوسی اور زمخشری جیسے ائمہ کی تفاسیر کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔

امثال کا فائدہ قرآن کریم کی ضرب الامثال سے بہت سی باتوں کا فائدہ حاصل ہوتا ہے مثلاً وعظ و تذکیر، ترغیب و تحریص، زجر و عبرت، تقریر اور مراد کو فہم سے قریب تر کر دینا اور مراد کی محسوس صورت میں نمائش، اس لیے کہ امثال معانی کو اشخاص کی صورت میں نمایاں کرتی ہیں۔ کیونکہ یہ حالت اس وجہ سے ہے کہ اس میں ذہن کو حواسِ ظاہری کی امداد ملتی ہے جو ذہن میں بخوبی نقش ہو جاتی ہے اور اسی سبب سے مثل کی غرض خفی کو جلی اور غائب کو شاہد امر کے سامنے مثا بہت دینا قرار دی گئی ہے اور قرآن کی مثالیں تفاوت اجر کے ساتھ بیان پر مشتمل ہیں اور ثواب و عقاب، کسی امر کی تفہیم یا اس کی تحقیر اور ایک امر کی تحقیق یا اس کے باطل قرار دینے پر بھی مشتمل ہوتی ہیں۔

قرآن کریم میں امثال کا مختلف صیغوں میں استعمال (ایک خاکہ)

۱۔ لفظ مَثَل ۱۹ سورتوں میں ۳۲ مرتبہ آیا ہے۔ ۲۔ لفظ مِثلُکم ۵ سورتوں میں ۷ مرتبہ آیا ہے۔
۳۔ لفظ مِثلنا ۵ سورتوں میں ۶ مرتبہ آیا ہے۔ ۴۔ لفظ مثلہ ۱۶ سورتوں میں ۱۷ مرتبہ آیا ہے۔
۵۔ لفظ مثلہا ۶ سورتوں میں ۶ مرتبہ آیا ہے۔ ۶۔ لفظ مثلہم ۵ سورتوں میں ۵ مرتبہ آیا ہے۔
۷۔ لفظ مثلہن ۱ سورت میں ۱ مرتبہ آیا ہے۔ ۸۔ لفظ مثلیہا ۱ سورت میں ۱ مرتبہ آیا ہے۔
۹۔ لفظ مثلیہم ۱ سورت میں ۱ مرتبہ آیا ہے۔ ۱۰۔ لفظ مَثل ۳۴ سورتوں میں ۴۱ مرتبہ آیا ہے۔
۱۱۔ لفظ مثلاً ۳ سورتوں میں ۲۲ مرتبہ آیا ہے۔ ۱۲۔ لفظ مَثلہ ۳ سورتوں میں ۳ مرتبہ آیا ہے۔
۱۳۔ لفظ مَثلہم ۲ سورتوں میں ۳ مرتبہ آیا ہے۔ ۱۴۔ لفظ الامثال ۹ سورتوں میں ۱۱ مرتبہ آیا ہے۔
۱۵۔ لفظ امثالکم ۴ سورتوں میں ۴ مرتبہ آیا ہے۔ ۱۶۔ لفظ اَمثالہا ۲ سورتوں میں ۲ مرتبہ آیا ہے۔
۱۷۔ لفظ اَمثالہُم ۲ سورتوں میں ۲ مرتبہ آیا ہے۔

(یہ خاکہ محمد فواد عبدالباقی کی کتاب "المعجم المفہرس" کی مدد سے بنایا گیا ہے)